ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی

اسلام اور مختلف مذاہب کا تقابلی مطالعہ

[ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی (م ۱۹۷۶ء) ماضی قریب کے اُن اہلِ دانش میں سے تھے جنھوں نے جدید جامعات سے اکتساب فیض کیا اور زندگی کا بڑا حصّہ ان ہی جامعات میں تحقیق و تدریس میں گزارا۔ وہ "اسلامیات" کے عالم تھے اور اُن کے نزدیک "علم کی ہر وہ شاخ جو اسلام کے حوالے سے وجود میں آئی، یا اسلام کے زیرِ سایہ پروان چڑھی، اسلامیات کا حصّہ ہے۔" اسی لیے اُن کے ہاں مطالعۂ اسلامیات کا دائرہ قرآن و حدیث سے لے کر طب عرب تک محیط ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی ابتدائی تعلیم پٹنہ اور رام پور (اتر پردیش) میں ہوئی۔ پٹنہ یونیورسٹی سے ایم ۔ اے کرنے کے بعد ۱۹۲۲ء میں "حکومت بہار و اڑیسہ" کی جانب سے کیمبرج گئے۔ معروف مستشرق ایڈورڈ ۔ جی ۔ براؤن کی نگرانی میں تحقیقی کام کیا اور ۱۹۲۵ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۲۶ء میں عربی زبان کے لیکچرار کی حیثیت سے لکھنؤ یونیورسٹی سے وابستہ ہوئے جہاں وہ ۱۹۲۸ء میں صدرِ شعبہ تھے، تاہم ۱۹۲۹ء میں کلکتہ یونیورسٹی چلے گئے۔ ۱۹۴۰ء میں "شعبۂ اسلامی ثقافت" کے سربراہ بنے اور ۱۹۶۲ء میں فرائض منصبی سے سبکدوش ہوئے۔

تدریسی ذمہ داریوں سے الگ ہونے کے باوجود ڈاکٹر صدیقی نے زندگی کے آخری برسوں تک مطالعہ و تحقیق کا مشغلہ جاری رکھا اور اُن کی تحریوں سے اہلِ ذوق استفادہ کرتے ہے۔ اُنہوں نے متعدد تالیفات یادگار چھوڑی ہیں۔ چند ایک یہ ہیں۔

- فردوس الحکمہ (علی بن ربن الطبری)، ترتیب وتدوین، برلن (۱۹۲۸ء)
- تاریخ نامہ ہرات (سیّد بن محمد بن یعقوب الہروی)، ترتیب وتدوین، کلکتہ (۱۹۴۴ء)
- السیر الحثیث حیدر آباد دکن (۱۹۴۸ء)
- Studies in Arabic and Persian literature کلکتہ (۱۹۵۹ء)
- Hadith Literature: Its Origin, Development, Special Features and Criticism کلکتہ (۱۹۶۱ء)
- Social Position of Women through the Ages کلکتہ (۱۹۷۱ء)
- Islamic Studies پٹنہ (۱۹۸۶ء)

ڈاکٹر صدیقی کے متعدد مقالات اِن کے علاوہ ہیں جو جرائد میں منتشر ہیں۔ اُن کا زیرِ نظر مقالہ سہ

ماہی "اسلام اور عصر جدید" (دہلی) کی اشاعت اکتوبر ۱۹۶۹ء میں چھپا تھا۔ مدیر]

جب ملک عرب میں قرآن کا نزول اور اسلام کا ظہور ہوا تو اِس ملک اور اس کے گرد و نواح میں متعدد مذاہب رائج تھے۔ بُت پرستی، یہودیت، عیسائیت، صائبیت اور مجوسیت، ہر ایک کے متبعین ملکِ عرب کے کسی نہ کسی حصّے میں ضرور موجود تھے۔ لہذا قرآنِ پاک میں اگر اسلام کے اصول و عقائد، حدود و احکام اور اس کی شریعت کی تفصیل مذکور ہے تو ساتھ ساتھ مذکورہ بالا مذاہب کا بھی ذکر ہے اور ان میں سے بعض کے اصول و عقائد اور اِن کے متبعین کے خیالات اور رسوم اور جستہ جستہ تاریخ کا بھی ذکر ہے۔

بُت پرستی

عرب زیادہ تر بُت پرست تھے۔ ملک کے مختلف حصّوں میں اِن کے مندر تھے۔ ہر مندر میں ایک خاص بُت تھا جس کی خاص قبیلہ پرستش کرتا تھا۔ یمن، صنعاء، نجد، عراق، طائف، نخلہ، مشلل میں سے ہر ایک میں ایک مندر تھا۔ یمن کے مندر میں ذوالخلوصا کا بُت تھا۔ یہ مندر کعبہ یمانیہ کہلاتا تھا۔ نجد کے مندر کے بُت کا نام روذا تھا۔ عراق کے مندر کے بُت کا نام ذوالقبات تھا، طائف کے مندر میں لات کا بُت تھا۔ مشلل کے مندر میں منات کا بُت تھا۔ نخلہ کے مندر میں عُزیٰ کا بُت تھا۔ مکے میں خانہ کعبہ جس کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے خدائے واحد ذوالجلال کی عبادت کے لیے کی تھی، ملک عرب کے سب سے بڑے اور سب سے اہم بُت خانے میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ اس میں ہر سال ہر قبیلے کے لوگ ملک کے ہر حصّے سے حج کے لیے آیا کرتے تھے۔ کعبہ کی طرح ہر مندر کے لیے خاص خاص خاندان کے لوگ مجاور کی حیثیت سے مقرّر تھے، جو اس کی نگاہ داشت کیا کرتے تھے۔ پرستش میں اِن کے پرستاروں کی مختلف طور سے مدد کیا کرتے تھے۔ عرب قبائل اِن مندروں کا طواف کرتے تھے، اِن پر چڑھاوے چڑھاتے تھے اور اِن پر قربانی کرتے تھے، اور اِن کی پرستش کرتے تھے۔

ان کا عقیدہ تھا کہ بُت اِن کی مدد کرتے ہیں اور خدا کے ہاں اِن کی سفارش کرتے ہیں۔ یہ لوگ بُتوں کے سامنے فال نکال کر اپنے معاملات میں ان کی رائے لیتے تھے۔ یہ لوگ اللہ کے بھی قائل تھے، اس کو سب سے بڑا معبود سمجھتے تھے۔ اور ساری کائنات کا خالق جانتے تھے، لیکن سمجھتے تھے کہ خدا پر بُتوں کا اثر ہے، اس لیے وہ خدا سے اِن کی ضرورتیں پوری کرا دیتے ہیں۔ وہ فرشتوں کو خدا کی بی بیاں سمجھتے تھے۔ اِن میں سے بعض چاند، سورج اور بعض ستاروں کی بھی پرستش کرتے تھے۔ ان میں سے بعض کا عقیدہ تھا کہ انسان مرنے کے بعد فنا ہو جاتا ہے، اور بعض حیات بعد الموت، اور احتساب اور جزاء و سزاء

کے بھی قائل تھے، اور سمجھتے تھے کہ انسان کے اعمال لکھ لیے جاتے ہیں اور ان کے لیے جزاء و سزاء ملے گی۔ ان میں سے بعض مردوں کی قبروں پر اونٹوں کی باندھ کر چھوڑ دیتے تھے تاکہ وہ بھوک اور پیاس سے مر جائیں اور سمجھتے تھے کہ صاحبِ قبور ان اونٹوں پر سوار ہو کر خدا کے سامنے حاضر ہوں گے۔ بعض عربوں کا عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد انسان کی روح ایک پرند کی شکل اختیار کر لیتی ہے، اور اگر کوئی شخص قتل کیا گیا ہے تو جب تک اس کا خون بہا نہ لیا جائے وہ پرند ہمیں (خون) پلاؤ، ہمیں (خون) پلاؤ چیختا ہے[1]۔ ان لوگوں میں ختنہ کی رسم بھی عام طور پر رائج تھی۔

یہودیت

یہودی حضرت اسرائیل کی اولاد اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متبعین میں سے تھے۔ فرعون کے مظالم کے باعث یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیرِ قیادت مصر سے فرار ہوئے۔ ان لوگوں پر خدا کا خاص فضل و کرم رہا۔ ان میں بہتیرے بادشاہ اور انبیاء پیدا ہوئے۔ ان لوگوں کی غذاء کے لیے بیٹر اور شیر خشت مہیا کی گئی۔ پھر ان لوگوں نے زمین کی پیدا شدہ چیزوں کی خواہش کی تو وہ بھی عطا کی گئیں، لیکن باوجود ان سبھوں کے ان لوگوں نے طرح طرح سے خدا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے تو، حضرت ہارون علیہ السلام کے منع کرنے کے باوجود یہ لوگ ایک گائے کے بچے کے بُت کی پرستش کرنے لگے۔ ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی طرح طرح سے تنگ کیا۔ ان سے کہا کہ جب تک تم ہمیں خدا کی ذات کھلم کھلا نہ دکھاؤ گے ہم تم پر ایمان نہ لائیں گے۔ جب اُنھوں نے ان لوگوں سے ارضِ مقدّس میں داخل ہونے کو کہا تو ان لوگوں نے اس سے انکار کر دیا، اور جب ان سے مخالفین سے جنگ کرنے کو کہا تو ان لوگوں نے جواب دیا کہ پہلے تم اور تمہارا خدا جا کر لڑائی کرو، جب تمہاری فتح ہو جائے گی تو ہم تمہارے ساتھ جائیں گے۔ یہ لوگ بارہ قبیلوں میں تقسیم ہو گئے، اور آپس میں لڑتے رہے، متعدّد انبیاء کو قتل کیا اور طرح طرح کے معاصی میں مبتلا رہے۔ اس لیے ان لوگوں میں مختلف امراض پھیل گئے اور ان لوگوں کی فہم و فراست خراب ہو کر بندروں اور سوّروں جیسی ہو گئی۔ ان کے مخالفین ان پر غالب آ گئے اور اُنھوں نے ان لوگوں کو ان کے ملک سے نکال دیا۔ اور یہ لوگ مختلف ممالک میں جا کر آباد ہونے پر مجبور ہو گئے۔

ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلے اور آخری نبی تھے۔ ان کی شریعت میں نہ تغیّر کیا جا سکتا تھا اور نہ وہ منسوخ ہو سکتی تھی۔ ان لوگوں نے توریت میں تحریف کی، متعدّد انبیاء کی تکذیب کی۔ وہ بعض فرشتوں کو اپنا دوست اور بعض کو اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ ان میں سے بعض نے حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا مان لیا۔ حضرت عیسیٰ کی تکذیب کی، ان کو قتل کرنے کی کوشش کی اور اس میں کامیابی کا دعویٰ کیا، حضرت مریم علیہا السّلام پر بہت ہی بُری تہمت لگائی، عربوں کے ساتھ مل کر ان کے بعض

بُتوں کی پوجا کی۔

اِن کے چند قبائل عرصۂ دراز سے ملک عرب کے بعض خطّوں میں آباد تھے، شام سے یمن کے راستے پر جتنے زرخیز علاقے تھے اِن میں سے اکثر میں اِن کی معتد بہ آبادی تھی۔ مدینہ اور اس کے گردو نواح میں اِن کے متعدّد قبیلے رہتے تھے۔ ان کے مکانات پتھر کے تھے اور کھجور کے باغات تھے۔ ان میں سے بعض کاشتکاری کرتے تھے اور بعض آہنی اسلحہ بناتے تھے۔ خیبر میں اِن کے متعدّد مضبوط قلعے اور باغات تھے۔ یمن کے تُبّع خاندان کا ایک رئیس ذونواس، یہودی ہو گیا تھا اس کی وجہ سے یہودیت کو ملک عرب کے مختلف حصّوں میں بہت فروغ ہوا۔ وہ بڑا ظالم تھا اس نے نجران کے سیکڑوں عیسائیوں کو زندہ آگ میں ڈال کر جلا دیا تھا۔ اِن میں بہتیرے بچے اور عورتیں بھی تھیں۔ یہ لوگ علی العموم خوش حال تھے۔ سودی کاروبار کرنا ان کا خاص شیوہ تھا۔ مختلف مقامات میں ان کے اسکول بھی تھے جن میں توریت کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مدینہ منوّرہ کی ابتدائی زندگی میں بعض یہودی حضرت محمد ﷺ کے کاتب رہے تھے لیکن چونکہ اُنھوں نے کتابت میں تحریف کی اِس لیے اِن کو برطرف کر دیا گیا۔

عیسائیت

عیسائیت دوسری صدی عیسوی میں ملکِ عرب میں رائج ہوئی۔ فیوم نامی ایک راہب کے اثر سے کچھ عرب عیسائی ہو گئے۔ عراق اور حیرہ میں عیسائیوں کی معتد بہ آبادی تھی۔ قبائل بنو غسان، بنو تغلب، بنو طی اور بنو تمیم میں سے اکثر لوگ عیسائی ہو گئے تھے۔ متعدّد مشہور شعراء بھی روساء حیرہ و غسان کے اثر کے باعث عیسائی ہو گئے تھے۔ چنانچہ زہیر، نابغہ، اعشیٰ، امیّہ بن الصلت وغیرہ عیسائی یا نیم عیسائی تھے۔ یمن کے علاقے میں ان کی بہت بڑی آبادی تھی، اس کا ایک ضلع نجران عیسائیوں کا بہت بڑا مرکز تھا۔ یہاں ان کا بہت بڑا کلیسا تھا، اور کپڑا بُننے اور زرہیں بنانے کے کارخانے بھی تھے۔ یہاں کا ایک اِن کا عیسائی پیشوا، قس بن ساعدہ زمانہ جاہلیت کا بہت بڑا عرب خطیب مانا جاتا تھا، اس کی ایک تقریر حضرت محمد ﷺ نے بھی اپنے بچپن میں عکاظ کے میلے میں سُنی تھی۔ صنعاء میں بھی ان کا ایک بہت بڑا کلیسا تھا۔ مکہ معظمہ کے باشندوں میں بھی متعدّد عیسائی تھے۔ ورقہ بن نوفل حضرت خدیجہؓ کے رشتہ کے بھائی تعلیم یافتہ عیسائی تھے۔ اُنھوں نے انجیل کے بعض حصّوں کا عربی میں ترجمہ بھی کیا تھا۔ نجران کے عیسائیوں کے زندہ جلائے جانے کے بعد حبشہ کے عیسائی بادشاہ نے یمن پر حملہ کر کے اس کے سارے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اس کے جنرل ابرہہ نے خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کے ارادے سے مکہ معظمہ پر حملہ کیا تھا لیکن آسمانی حادثے کی وجہ سے وہ اپنے ارادے میں ناکام رہا۔

عیسائی ابتداء میں توحید کے قائل تھے، لیکن امتدادِ زمانہ کے بعد اِن لوگوں کو انجیل کے بعض

الفاظ سے غلط فہمی پیدا ہوئی اور یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ سمجھنے لگے اور تثلیث کے قائل ہو گئے۔ انجیل کے بعض حصّوں میں ان لوگوں نے تحریف کی، اور اس میں جو آیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے متعلق تھی اس کو حذف کر دیا۔ یہ لوگ سود کھاتے تھے اور لوگوں کا مال و دولت غصب کر لیا کرتے تھے۔ ان کو زندگی سے بہت محبت اور موت کا بہت خوف تھا اور آپس میں ایک دوسرے سے نفرت اور دشمنی تھی۔

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو دوسرے فرقوں کے اعتبار سے اسلام سے قریب تر اور اس کا دوست سمجھتے تھے اور ان کے ساتھ محبت کا برتاء کرتے تھے۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی اور ان لوگوں نے مدینہ منوّرہ میں آپ کے پاس گفتگو کرنے کے لیے اپنا ایک بڑا وفد بھیجا جس میں ان کے بڑے بڑے مذہبی پیشوا شامل تھے، تو آپ نے ان لوگوں کو اپنی مسجد میں مہمان ٹھہرایا۔ اور اس میں ان کو اپنے طریقے پر عبادت کرنے کی اجازت دی، آخر میں ان سے اسلام کی صداقت کے متعلق مباہلہ کرنے کے لیے کہا، لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوئے تو ان کو چند شرائط پر ساری مملکت اسلامی میں امن و امان کے ساتھ رہنے کے اجازت دی۔ چنانچہ عہدِ فاروقی کے ابتدائی دور تک یہودیوں کی طرح عیسائی بھی ملک عرب میں امن وعافیت کے ساتھ مقیم رہے۔

صابئین و مجوس

صابئین کا ذکر قرآن مجید میں تین جگہ آیا ہے اور مجوس کا صرف ایک جگہ۔ لیکن ان دونوں میں سے کسی کے خیالات اور عقائد کے متعلق قرآن نے کچھ نہیں کہا ہے۔ ابن حزم اور شہرستانی نے دونوں کے متعلق تفصیلی بحث کی ہے۔ مجوس کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ابتداء میں موحد تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ صرف نور قدیم ہے اور ظلمت بعد میں پیدا ہوئی۔ صابئین کے بارے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ عیسائیوں ہی کی ایک خاص جماعت تھی اور بعضوں کا خیال ہے کہ وہ روحانی مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ انسان کو معرفت الٰہی کے لیے ایک ہادی کی ضرورت ہے، لیکن وہ ہادی بنی نوع انسان میں سے نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ جو خود مادّی ہے وہ کسی کو غیر مادّی حقیقت تک نہیں پہنچا سکتا۔ یہ لوگ سورج، چاند اور بعض ستاروں کی پرستش کرتے تھے اس لیے کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ سب مادّی الاصل نہیں ہیں۔

[اسلام کا پیغام اور دوسرے مذاہب کے بارے میں نقطۂ نظر]

ان مختلف مذاہب اور عقائد کے لوگوں میں ملک عرب میں چھٹی صدی عیسوی کے آخر کے قریب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے اسلام کے آخری پیغام کا ظہور ہوا۔ اس کی الہامی کتاب قرآنِ

مجید میں اِس پیام کی تفصیل اور اِس کے اصول اور بعض فروع بیان کیے گئے ہیں۔

قرآنِ پاک اور اِس کے حامل کی تعلیم کے مطابق سچا مذہب ایک ہی ہے۔ اِس کی بنیاد، توحید الٰہی، یوم قیامت اور انسان کے اعمال کے جزاء و سزاء کے اعتقاد پر قائم ہے [۲]۔ حضرت آدم علیہ السّلام سے حضرت نبی آخرالزماں ﷺ تک ہر نبی نے ہر ملک میں ہر زمانے میں اسی کی تعلیم و تبلیغ کی، جیسا کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے ثابت کیا ہے [۳]۔ مجوسی بھی ابتداء میں صرف نورہی کی قدامت کے قائل تھے [۴]۔ عیسائی بھی ابتداء میں توحید ہی پر ایمان رکھتے تھے [۵]۔ موجودہ زمانے کے محققین میں بھی ایک جماعت اِس کی قائل ہے کہ زمانۂ قدیم میں مختلف ملکوں کے لوگ موحد ہی تھے۔ سر والس بج، جو مصریات کے بہت بلند پایہ محقق ہیں، کہتے ہیں کہ زمانۂ قدیم میں مصری بھی موحد ہی تھے۔ ان لوگوں کا خدا کا تصوّر بعد کے یہودیوں کے تصوّر کے مماثل تھا۔ وہ لوگ خدا کے لیے جو لفظ استعمال کرتے تھے وہ مسلمانوں کے اللہ کے لفظ کا مرادف تھا۔ بعض چینی علماء کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی یہودیوں کی طرح موحد ہی تھے [۶]۔ حقیقت یہ ہے کہ مذاہب کے متعلق موجودہ زمانے کی تحقیق سے اسلام کے اِس نظریے کی تائید ہوتی ہے کہ سارے بنی نوع انسان ایک ہی قوم سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ سب ابتداءً توحید ہی کے قائل تھے۔

مذکورہ بالا اعتقادات ہی اسلامی تعلیم کے مطابق اصل دین ہیں جس میں کبھی کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ شریعت اِس کی فرع ہے۔ اِس کی ابتداء حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے ہوئی۔ اِس میں مختلف انبیاء کے زمانے میں حالات کے مطابق تغیرات ہوتے رہے۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے مختلف تھی۔ بلکہ ایک ہی نبی کے متبعین کی مختلف جماعتوں میں شریعت کے بعض مسائل کے متعلق اختلاف رہا ہے۔

نبی آخرالزماں ﷺ نے دینی اتحاد کی وجہ سے کل انبیاء صادقین سابقین کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا۔ یہ ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اگر کوئی مسلم کسی سچے نبی کی تکذیب یا اس کی صداقت میں شک یا اس کی توہین کرے تو وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے لیکن اگر کسی نبی کے متبعین اس کے اقوال و افعال کے متعلق کسی طرح کی غلط بیانی کریں تو اِس کی تصحیح بھی اِس کے بعد کے نبی اور اِس کے متبعین کا فرض ہے۔

بعض انبیاء کے متبعین نے اپنے فرطِ محبت اور عقیدت میں یا اپنی غلط فہمی کی وجہ سے ان کی طرف غلط خیالات یا اقوال منسوب کیے، یا ان کی غلط تعبیر کی، یا ان کی الہامی کتابوں میں تحریف و ترمیم کی، اِس لیے قریب قریب ہر نبی کے متبعین میں بہتیرے فرقے پیدا ہوگئے [۷]۔ چنانچہ مجوسیوں میں ۷۰ فرقے، یہودیوں میں ۷۱ فرقے، نصاریٰ میں ۷۲ فرقے تھے اور مسلمانوں میں ۷۳ فرقے پیدا ہوئے [۸]۔ اِس کے علاوہ بعض بر خود غلط فلاسفہ اور سوفسطائیوں نے بھی غلط ذہنی مفروضات کی وجہ سے غلط مذاہب کی

بنیاد ڈالی۔ اس طرح صحیح ادیان کے اصولی اتحاد کے باوجود بہتیرے غلط ادیان بھی ظہور پذیر ہوئے۔

قرآنِ پاک نے انبیاء سابقین کی تصدیق کے ساتھ ساتھ ان کے متبعین نے جو غلطیاں کی تھیں، ان کی تصحیح بھی کی، چنانچہ عرب کے بُت پرستوں کے خیالات کی تصحیح اور ان کے غلط عقائد کی تردید قرآنِ مجید میں جگہ جگہ کی گئی ہے۔ پتھر کی مورتوں کے سامنے سر جھکانا اور ان سے حاجت براری کی التجاء کرنا اشرف المخلوقات کے لیے نازیبا تو ہے ہی، خلافِ عقل بھی ہے۔ یہی حال ان لوگوں کے دوسرے عقائد کا بھی ہے۔ یہودیوں کو بتایا کہ جبرئیل بھی خدا کے فرشتے ہیں، حضرت مریم علیہا السّلام پاک دامن اور باعزّت عورت تھیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقدّس نبی تھے اور ان کے معجزات کی تصدیق کی، لیکن ساتھ ساتھ عیسائیوں کے اس خیال کی بھی تردید کی کہ وہ ابن اللہ تھے اور خدا کے شریک تھے۔

مذکورۂ بالا بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآنِ پاک میں صرف اسلامی اصول و شریعت کی تفصیل ہی نہیں بیان کی گئی ہے بلکہ بعض دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے خیالات، عقائد، بعض اعمال و افعال اور مختصر تاریخ کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ اس لیے قرآنِ مجید کو بعض مذاہب کے تقابلی مطالعے، اور دینی تحقیق کے متعلق بھی پہلی کتاب کہا جا سکتا ہے۔ اسلام کی وجہ سے ایک تو مختلف مذاہب کے لوگوں کا ایک دوسرے کے ساتھ صلح و آشتی کے ساتھ رہنے کا دستور ہو گیا، دوسرے ان لوگوں میں اپنے اپنے مذہب کے متعلق محبت و الفت کے ساتھ بحث و مباحثہ کرنے کا رواج بھی ہو گیا۔ اس سے قبل مختلف مذاہب کے لوگ آپس میں جھگڑتے رہتے تھے، ایک دوسرے پر طرح طرح کے ظلم کرتے تھے اور بعض بعض کو اس کے ملک سے بھی نکال دیتے تھے۔ انہی جھگڑوں کی وجہ سے یہودیوں کو مختلف ممالک میں جا کر بسیرا لینا پڑا۔ ملک عرب میں یہودیوں نے عیسائیوں کی کثیر تعداد کو زندہ آگ میں ڈال کر خاک سیاہ کر دیا۔ یمن پر عیسائیوں نے حملہ کر کے یہودیوں پر ظلم و ستم کیے۔ فارس کے مجوسی اور شام کے عیسائی ایک دوسرے پر حملے کرتے رہے۔ بعض دوسرے ملکوں سے بھی خاص مذہب کے متبعین نکال دیے گئے۔

لیکن نزولِ قرآن کے بعد اس کے ماننے والوں نے اس کے حکم "لااکراہ فی الدین" یعنی مذہب میں جبر و اکراہ کی کوئی جگہ نہیں ہے، کی تعمیل کی اور جہاں اس کی حکومت ہوئی وہاں یہودی، عیسائی، صابی اور مجوسی وغیرہ ساتھ ساتھ امن و عافیت کے ساتھ مقیم رہے۔ ان لوگوں میں کبھی کبھی مذہبی مباحث بھی ہوا کرتے تھے۔ اس طرح کی جو گفتگو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہؓ کے زمانے میں ہوئی اس کی طرف تو اشارہ بعض حدیث کی کتابوں میں ملتا ہے۔ لیکن اس کے متعلق جو مقالات عیسائیوں کی طرف سے اسلام کے مقابلے میں لکھے گئے، ان کی چند مثالیں ڈاکٹر منگانا نے کتاب الدین والدولۃ کے انگریزی ترجمے کے خطبے میں ذکر کی ہیں۔ ان میں قدیم ترین ایک مقالہ ہے جس میں وہ مباحثہ مذکور ہے جو سن ۱۸ ہجری (۶۳۹ عیسوی) میں انطاکیہ کے ایک پادری یوحنا اوّل اور اسلامی فوج کے بعض

قائدین کے درمیان شام میں ہوا تھا۔ اِس مقالے کا سریانی متن اور اِس کا انگریزی ترجمہ شائع ہو چکا ہے[9]۔

[کتاب الدین والدولتہ]

لیکن عیسائیت اور یہودیت کے مقابلے اور اسلام کی حمایت میں جو قدیم ترین کتاب ہم تک پہنچی ہے، وہ علی بن ربن الطبری کی مذکورۂ بالا تصنیف "کتاب الدین والدولتہ" ہے جو ۸۵۵ء میں بغداد میں تصنیف ہوئی اور ۱۹۲۳ء میں مصر سے [پہلی بار] شائع ہوئی۔ اِس میں مصنّف نے اپنے موضوع پر متعدّد قدیم تر مقالوں کا اور اپنی ایک دوسری تصنیف "کتاب فی الردّعلی اصناف النصاریٰ" کا بھی ذکر کیا ہے[10]۔ لیکن یہ سارے مقالات اب نایاب ہیں۔ لہذا یہ کتاب بعض مذاہب کے تقابلی مطالعے کے لیے نہایت اہم ہے۔

اِس کا مصنّف علی بن ربن طبرستان کے ایک نہایت تعلیم یافتہ عیسائی خاندان کا اہم رکن تھا۔ اس کا باپ خود عالم، اور نہایت مذہبی تھا اپنے ملک میں اپنے زمانے میں اِس کی بہت عزت کی جاتی تھی۔ اِس لیے اس کو لوگ "ربن" ہمارے مالک کے لقب سے خطاب کرتے تھے علی خود طب اور فلسفہ ماہر تھا۔ اِس کی کتاب "فردوس الحکمۃ" سے اِن علوم میں اِس کی وسعتِ نظر پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ وہ کا
سریانی اور عبرانی زبانوں سے بھی اچھی طرح واقف تھا۔ ابوبکر زکریا رازی، مشہور طبیب اس کا شاگرد تھا، کچھ دنوں تک مازیار بن قارن کا اور اِس کے بعد خلیفہ معتصم باللہ کا سکریٹری رہا تھا۔ متوکل علی اللہ نے اِس کو اسلام کی دعوت دی اور اپنے ندماء میں داخل کرلیا اور مولیٰ امیر المومنین کا خطاب دیا۔

"کتاب الدین و الدولتہ" اس نے یہودیوں اور عیسائیوں کے اسلام پر اعتراضات کا جواب دینے اور اسلام کی صداقت ثابت کرنے کے لیے لکھی تھی۔ کتاب کی ابتداء میں اِس نے لکھا ہے کہ اِس سے قبل جن لوگوں نے اِس موضوع پر مقالات لکھے ہیں، اِن میں سے بعض نے اپنے دلائل اور براہین کے بیان کرنے میں غایت اختصار سے کام لیا ہے، بعض نے نظم میں مقالہ لکھا ہے، اور اپنے مخالفین کی ایسی کتابوں کا ذکر کیا ہے جن کا اِن کو کوئی علم نہیں (غالباً یہ جاحظ کی طرف اشارہ ہے) اور بعض نے مشرکوں اور غیر مسلموں کی جگہ مسلمانوں کو خطاب کیا ہے اور اپنے خیالات اور ادلّہ کو طویل مشکل اور مبہم عبارت میں بیان کیا ہے، حالانکہ اِس اہم اور منفعت عام کے موضوع پر لکھنے والے کو چاہیے کہ اپنے خیالات آسان اور سریع الفہم عبارت میں ادا کرے، اور اپنے مخالف کو محبت اور انصاف کے ساتھ سمجھائے اور اِس کے مقابلے میں ایسے دلائل پیش کرے جو اِس کے مذہب کے مطابق ہوں اور اِس کو کسی طرح شرمندہ اور آزردہ نہ کرے اور خود اِس نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

متن کتاب میں مصنف نے عیسائیوں اور یہودیوں کے جواب اور اسلام کے ثبوت میں ان ہی لوگوں کی کتابِ مقدسہ سے بیسیوں اقتباسات نقل کیے ہیں۔ ڈاکٹر منگانا نے اپنے انگریزی ترجمے کے حواشی میں ان کتابوں کے سریانی اور عبرانی متنوں کے جن سے یہ اقتباسات نقل کیے گئے حوالے بھی دے دیے ہیں۔

مذکورۂ بالا بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ مذاہب کا تقابلی مطالعہ اور دینی تحقیق کے اہم موضوع پر بحث و مباحثہ اور تفتیش و تحیص ظہور اسلام کے ساتھ ساتھ شروع ہوئی۔ یہ تحقیق و تفتیش اب تک جاری ہے۔ اس کے متعلق ہر مذہب و ملت کے لوگوں نے اپنے اپنے خیال کے مطابق مقالے لکھے اور اس میں مسلمان بھی ہمیشہ حصّہ لیتے رہے۔ ابن حزم نے اپنی کتاب "الفصل فی الملل" اور شہرستانی نے اپنی کتاب "الملل و النحل" کے خطبے میں اس موضوع کے متعلق بہتیرے مقالات کی طرف اشارے کیے ہیں۔ ابن حزم نے لکھا ہے کہ دین میں لوگوں کے اختلاف و افتراق کے متعلق بہتیرے مصنفین نے بہتیری کتابیں لکھی ہیں، لیکن ان میں سے بعض نے اپنے بیان کو بہت طویل دیا ہے اور اس میں بہت غلطیاں بھی کی ہیں اور ان کے سمجھنے میں دقت ہوتی ہے۔ اور بعض نے بہت اختصار سے کام لیا ہے اور اپنے مخالفین کے اہم دلائل کے بیان سے احتراز کیا ہے اور اس میں ان لوگوں نے اپنے ساتھ بھی بے انصافی کی ہے کہ اپنا فرض ادا کرنے میں کوتاہی کی ہے اور اپنے مخالفوں کے ساتھ بھی ظلم کیا ہے کیونکہ ان کا حق نہیں ادا کیا ہے اور اپنی کتاب کے پڑھنے والوں کے ساتھ بھی ناانصافی کی ہے اس لیے کہ ان کو دوسری کتابوں کے پڑھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان مصنفین کی یہ کتابیں ہمیشہ کے لیے بے کار ہیں۔ لہذا اس نے استخارہ کرنے کے بعد اپنی کتاب تالیف کی جس میں سیدھے سادے الفاظ میں سارے ادلّہ اور براہین بیان کر دیے ہیں۔ شہرستانی نے لکھا ہے کہ اس نے مختلف مذاہب اور اعتقادات کے لوگوں کے مقالات پڑھے تھے اور ان کی متفرق دلیلوں سے واقفیت حاصل کی تھی اس لیے اس نے چاہا کہ ان سب کو ایک جگہ جمع کر دے تاکہ روشنی چاہنے والوں کو عبرت اور عبرت حاصل کرنے والوں کو روشنی حاصل ہو۔

ابن حزم کی مذکورہ بالا کتاب کے متعلق پروفیسر ہملٹن گب نے لکھا ہے کہ اگرچہ یہ بات تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے کہ مختلف مذاہب کے تقابلی مطالعے پر ہمیں اوّلین کتاب عربی ادب میں ملتی ہے لیکن اس کا سبب معلوم کرنا بہت مشکل نہیں ہے۔ عرب فاتحین کی بے تعصبی کی وجہ سے ان کے مفتوحہ ممالک میں ان کے ساتھ ایسے لوگوں کی کثیر تعداد رہتی تھی جو مختلف مذاہب کے قائل تھے۔ ان میں یہودی بھی تھے اور عیسائی بھی، مجوسی بھی تھے اور نیم بُت پرست بھی۔ لہذا مسلم علماء کی توجہ ان لوگوں کے عقائد کی طرف منعطف ہوئی اور ان کی تردید میں ان لوگوں نے بہتیرے رسالے تالیف کیے۔ اس کی ایک مثال علی بن ربن الطبری کی "کتاب الدین والدولۃ" ہے جو ۸۵۵ء میں تالیف ہوئی

تھی۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے سامنے ایسے تنظیمی اور اقتصادی مسائل بھی تھے جن کی وجہ سے ان کے علماء اور حکام کو غیر مسلموں کے عقائد اور ان کے حقوق کا جاننا ضروری تھا۔

قریب قریب اسی زمانے میں مسلمانوں میں بھی فقہی اور فلسفی مسائل کی بنا پر مختلف فرقے پیدا ہو گئے ان کے متفرق اصولوں کے متعلق بھی کتابیں لکھی گئیں جن کی ایک مثال ابو منصور بغدادی کی کتاب "الفرق بین الفِرق" ہے جس میں صرف اسلامی فرقوں ہی کے اصولوں سے بحث کی گئی ہے، تاہم سارے نبی نوع انسان کے مختلف مذاہب اور ان کے فرقوں کے متعلق سب سے پہلی فلسفیانہ اور محققانہ کتاب کی تالیف و ترتیب کا فخر ابن حزم (۹۹۴ء-۱۰۶۴ء) کو حاصل ہوا"۔

[ابن حزم]

ابو محمد علی بن حزم قرطبہ کے ایک اعلیٰ خاندان میں ۹۹۴ء میں پیدا ہوا تھا۔ فطرت کی طرف سے اس کو غیر معمولی دماغ عطا ہوا تھا۔ اس نے کم سنی ہی میں تمام علوم اسلامیہ میں کمال پیدا کر لیا، وزارت کے اعلیٰ عہدے پر مقرر کیا گیا، اور اپنے زمانے میں فرقہ ظاہریہ کا امام مانا گیا (یہ فرقہ قرآن کے کل الفاظ کو ظاہری لغوی معنی میں تعبیر کرتا ہے اور ان میں کسی طرح کی تاویل جائز نہیں رکھتا۔) اس کو سیاست اور دنیاوی جاہ و جلال سے اتنی دلچسپی نہ تھی جتنی علمی مشاغل اور تصنیف و تالیف سے۔ لہذا اس نے جلد ہی وزارت سے علیحدگی اختیار کر لی اور اپنا سارا وقت تصنیف و تالیف میں صرف کرنے لگا۔ یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات مصائب میں گرفتار رہنے کے باوجود وہ اپنے زمانے تک کے علماء اسلام میں سب سے زیادہ کثیر التصانیف ہوا۔ اس سے قبل محمد بن جریر الطبری صاحبِ تاریخ و تفسیر سب سے زیادہ کثیر التصنیف فاضل سمجھا جاتا تھا، لیکن ابن حزم نے اس سے بھی زیادہ کتابیں تصنیف کیں۔ اس نے ۴۰۰ کتابیں ۸۰ ہزار اوراق میں تالیف کیں۔ لیکن وہ اپنے خیالات میں بہت سخت تھا اور اس کا قلم حجاج بن یوسف کی تلوار سے زیادہ تیز تھا۔ اس نے اپنی تصانیف میں اپنے مخالفین کے خلاف نہایت سخت الفاظ استعمال کیے۔ چنانچہ امام اشعری، امام ابو حنیفہ، امام مالک کو بھی جن کی ساری دنیائے اسلام عزت کرتی ہے، اس نے اپنی ملامت کا نشانہ بنانے سے دریغ نہ کیا۔ لہذا مسلمان عموماً اس کے بہت مخالف ہو گئے وہ متعدد صوبوں سے نکالا گیا، اس کی اکثر تصانیف اس کی زندگی میں ہی نذرِ آتش کر دی گئیں اور چند ہی کتابیں ہم تک پہنچ سکیں۔

ان میں سے ایک کتاب الفصل فی الملل والا ھواء والنحل پانچ جلدوں میں ہے۔ اس کتاب میں اس نے مختلف مذاہب اور ان کے مختلف فرقوں کے اصول اور تعلیمات سے عالمانہ اور محققانہ بحث کی ہے۔ اس نے اصول اور دلائل صحیح صحیح بیان کرنے کے بعد ان کی تردید میں اپنے دلائل اور براہین پیش کیے ہیں۔ اس طرح سوفسطائیوں، فلسفیوں، مجوسیوں، یہودیوں، عیسائیوں وغیرہم اور ان کے مختلف

فرقوں کے عقائد اور ان کے اثبات میں ان کے دلائل بیان کرنے کے بعد ان کی تردید کی ہے۔ اس کے بعد اسلامی اصول اور مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے خیالات سے بحث کی ہے اور آخر میں فرقۂ ظاہریہ کے خیالات کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اوّل سے آخر تک ساری کتاب کا طریقۂ بیان عالمانہ اور فلسفیانہ ہے لیکن اس کا مقصود اساسی، غیر مسلم مذاہب کے اصول کی تردید اور اسلامی اصول کی تصحیح اور اس کا اثبات ہے۔

[شہرستانی]

ابن حزم کی کتاب الفصل کی تصنیف کے تقریباً ساٹھ سال بعد ۱۱۲۷ء میں ابوالفتح محمد بن عبدالکریم شہرستانی نے مختلف ادیان کے متعلق "کتاب الملل و النحل" تصنیف کی جو موجودہ مستشرقین کی رائے کے مطابق عربی ادب میں ان معدودے چند کتابوں میں سے ہے جن سے قرونِ وسطیٰ کے عربی مصنفین کا علمی فضل و کمال ثابت ہوتا ہے چنانچہ اس کا عربی متن ۱۸۴۶ء میں لندن سے اور اس کا جرمن ترجمہ ۱۸۵۱ء میں ہالا سے شائع کیا گیا تھا۔ پروفیسر ہیملٹن گب کی رائے میں شہرستانی کا علمی ذوق نہایت سلیم تھا اور اس کا دماغ تعصب سے بالکل بری تھا۔ اس کی تصنیف کتاب الملل والنحل اس کی فلسفیانہ دقتِ نظر اور مذہبی بے تعصبی کی شاہد عادل ہے۔

وہ صوبہ خراسان کے ایک وسیع قصبہ شہرستان میں ۱۰۸۶ء میں پیدا ہوا، نیشاپور وغیرہ میں علوم اسلامیہ اور علوم فلسفہ میں تعلیم حاصل کی، ۱۱۱۶ء میں حج بیت اللہ سے واپسی میں بغداد میں تین سال قیام کر کے اپنی تعلیم کی تکمیل کی۔ اس کے بعد اپنے وطن واپس آکر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہا اور ۱۱۵۳ء میں وفات پائی۔

کتاب الملل و النحل اس کی بہترین تصنیف ہے۔ پروفیسر گب کا خیال ہے کہ غالباً ابن حزم کی کتاب کو دیکھ کر، شہرستانی کے دماغ میں اس کتاب کی تصنیف کا خیال ہوا۔ لیکن اس کی کتاب کے مطالعے سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ دونوں کتابوں کے موضوع اور مقصود کے اتحاد کے باوجود ان کے مصنفین کے طریقۂ نظر و فکر میں اختلاف کی وجہ سے ان کے استدلال اور براہین میں کسی طرح کا اتحاد نہیں پایا جاتا۔ بلکہ دونوں کتابوں کے تقابلی مطالعے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہرستانی کو ابن حزم کی کتاب کا علم تک نہ تھا، اس لیے کہ اس نے نہ تو اپنی کتاب کے خطبہ میں اس کا ذکر کیا ہے، نہ اس کے متن کے کسی حصّے میں اس کی طرف کوئی اشارہ کیا ہے، حالانکہ بعض دوسرے مصنفین کے بیانات کا ان کے ناموں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ابن حزم کی کتاب سے اس کی اسلامی مذہبی ادب سے اور عیسائی اور یہودی اور بعض دیگر مذاہب کی الہامی کتابوں اور ان کی مختلف روایات سے گہری واقفیت ظاہر ہوتی ہے اور شہرستانی کی کتاب سے اس کی فلسفیانہ دقتِ نظر اور اسلامی اور یونانی فلسفہ کے

متعلق اس کی وسعت معلومات کا پتہ چلتا ہے۔

پروفیسر گب کے خیال میں ابن حزم کی کتاب "الفِصَل" مذاہب کے تقابلی مطالعے کے متعلق سب سے پہلی کتاب ہے، لیکن ابن حزم نے خود اپنی کتاب کے خطبے میں لکھا ہے کہ ادیان و مذاہب میں لوگوں کے اختلاف کے متعلق متعدّد مصنفین نے کتابیں لکھی ہیں۔ لیکن ان کتابوں کے گونا گوں نقائص کی وجہ سے ان کے سمجھنے میں دقت ہوتی ہے، اس لیے اس نے اپنی کتاب تالیف کی اور اس میں مختلف مذاہب اور ان کے متعلق دلائل کو سہل اور آسان عبارت میں بیان کیا۔ لیکن افسوس ہے کہ اس نے نہ تو اپنے ماقبل کے مصنفین کے نام ذکر کیے، نہ ان کے مقالات کے عنوانات کا ذکر کیا ہے۔

اس نے ابتداء میں عالم کے قدم وحدوث اور اس میں انبیاء کی ضرورت اور ان کے فرائض کے متعلق مختلف مذاہب کے اعتقادات اور خیالات کے اعتبار سے ان کی تقسیم کی ہے۔ ان میں سے بعض تو کائنات کی حقیقت ہی کے قائل نہیں ہیں۔ یہ لوگ سوفسطائیہ کہلاتے ہیں۔ بعض اس کی حقیقت کے قائل ہیں اور ان کو قدیم سمجھتے ہیں لیکن ان کے لیے کسی خالق اور مدبّر کی ضرورت کو نہیں مانتے۔ بعض اس کے قائل ہیں اور ایک سے زیادہ خالقوں و مدبّروں کو مانتے ہیں۔ ان میں سے بھی بعض انبیاء کے قائل نہیں ہیں اور بعض کسی کو نبی مانتے ہیں اور کسی کو نہیں مانتے۔ ان سبھوں میں بھی آپس میں اختلافات ہیں اور ہر ایک میں متعدّد فرقے ہیں۔ اس کے بعد ان ادلّہ اور براہین کی ماہیئت سے بحث کی ہے جن کے ذریعے سے مختلف فیہ مسائل میں ہر انسان صحیح نتیجے پر پہنچ سکتا ہے۔ ان ابتدائی مباحث کے بعد ہر مذہب اور اس کے مختلف فرقوں کے اعتقادات اور ان کی دلیلیں بیان کرنے کے بعد ان کی تردید کی ہے۔ اس طرح فلاسفہ یونان، نصاریٰ، یہود، مجوس وغیرہ اور ان کے مختلف فرقوں کے خیالات سے اور ان کی وجہ سے جو اساسی مسائل پیدا ہوتے ہیں، ان سے بحث کی ہے اور ان کے دلائل کو بیان کرنے کے بعد ان کی تردید کی ہے اور آخر میں اسلام اور اس کے مختلف فرقوں کے خیالات اور ان کے ادلّہ کو بیان کر کے ان کی تنقید کی ہے۔ ان سبھوں کے بعد فرقہ ظاہریہ کے خیالات کی تائید میں دلائل پیش کیے ہیں۔ اوّل سے آخر تک ساری کتاب کا انداز بحث عالمانہ ہے لیکن تنقید اور تبصرے میں سختی اور شدّت ہر جگہ نمایاں ہے۔

شہرستانی نے بھی اپنی کتاب کے خطبے میں لکھا ہے کہ اس نے مختلف مذاہب اور ادیان کے لوگوں کے عقائد کے متعلق ان کے مقالات پڑھے تھے اور ان کے متعلق مختلف قسم کے معلومات حاصل کیے تھے، اس لیے اُس نے چاہا کہ ان معلومات کو ایک جگہ جمع کر دے تاکہ لوگ ان سے مستفید ہو سکیں۔ متنِ کتاب میں اس نے بعض مصنفین کے مقالات کے اقتباسات بھی نقل کیے ہیں۔ ابتداء کتاب میں چند اصولی مقدمات سے بحث کرنے کے بعد مسلمانوں میں جو فرقے پیدا ہوتے رہے، ان کے اختلافی مسائل سے بحث کی ہے اور اس کے بعد یہود، نصاریٰ، مجوس، صابئین، ان کے مختلف

فرقوں، فلاسفۂ یونان و اسلام اور ان کی مختلف جماعتوں کے خیالات کا بیان اور تنقید کی ہے اور اس سلسلے میں اہلِ ہند کے مذہبی فلسفے کو بھی بیان کیا ہے۔ وہ خود کٹر سنّی مسلمان تھا، لیکن اس نے اسلامی اور غیر اسلامی فرقوں کے خیالات اور ان کے دلائل کے بیان کرنے میں غایت انصاف سے کام لیا ہے۔ ابن حزم اور شہرستانی کی مذکورہ بالا تصنیفات عربی زبان میں مختلف مذاہب کے تقابلی مطالعے پر اہم ترین اور ضخیم ترین کتابیں ہیں۔ اگرچہ یہ کتابیں دوسرے مذاہب کے مقابلے میں اسلام کے دفاع کے خیال سے لکھی گئی ہیں لیکن ان سے مختلف مذاہب کے اصول اور ان کے مختلف فرقوں کے خیالات پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔

[حاصلِ بحث]

اسلام میں مختلف مذاہب کے تقابلی مطالعے کی مندرجہ بالا مختصر تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مطالعے کی ابتداء قرآنِ پاک سے ہوئی اور اس کی ترقی میں اسلامی تحریک کا خاص اثر ہے۔ اسلامی تحریک ہی نے مذہبی تخیل میں آزادی کی بنیاد رکھی، مختلف مذاہب کے متبعین کو امن و امان سے ساتھ رہنے اور اپنے اپنے مذہب کے متعلق تحقیقِ حق کے لیے بحث و مباحثہ کرنے اور مقالات لکھنے کی اجازت دی۔ قرآن ہی نے دینی تحقیق کی اہمیت ثابت کی اور اس تحقیق و تفتیش کا جذبہ پیدا کیا۔

حواشی

1. Essai Sur L, Histoire Des Arabes, Paris 1902, vol, I pp 269-70, pp. 348-49.

۲۔ الملل و النحل، ج ۱، ص ۴۶ - ۴۷

۳۔ ترجمان القرآن، ج ۱، ص ۱۸۰ - ۱۸۲

۴۔ الملل و النحل، ج ۲، ص ۴۳

۵۔ الفصل فی الملل، ج ۱، ص ۴۸

6. A. C. Bouquet, Comparative Religion, Netherland 1961, pp. 301-4

۷۔ الفصل فی الملل، ج ۱، ص ۱۰۱

۸۔ الملل و النحل، ج ۱، ص ۴

9. The Book of Religion and Empire, London, 1922 pp vi-vii

۱۰۔ کتاب الدین والدولۃ، ص ۸۶ - ۸۷

11. Arabic Literature, Oxford 1963, pp. 114-115.